سکولوں میں نصاب دینیات

سکولوں میں بچوں کے نصاب دینیات کی علیحدگی کا مسئلہ بھٹو دور حکومت میں اٹھا علماء حق اور ملک کے سنجیدہ طبقوں نے اسے قومی وحدت و یکجہتی کے خلاف سمجھ کر اس فیصلہ کے خلاف آواز اٹھائی مگر اس فسطائی حکومت کی بقا ہی جب افتراق و انتشار کی ایسی ہی ہنگامہ آرائیوں کی مرہون تھی تو وہ کب اس معقول آواز پر کان دھرتی اس نے نصاب کو الگ کر دیا، اب موجودہ حکومت نے بعد از خرابیٔ بسیار اس فیصلہ پر نظر ثانی کی اور اسے واپس لینے کا مستحسن اقدام کیا مگر اس اقدام کے جلو میں خدشات اور پریشانیوں کی اور صورتیں پیدا ہوئیں، کہا گیا کہ نصاب دینیات کو متنازعہ امور اور مسائل سے پاک رکھا جائے گا اس سلسلہ میں ذمہ داران حل و عقد سے ابہام رفع کرنے کا کہا گیا، بے چینی بڑھتی گئی کہ "متنازعہ" تلوار سے اگر ذبح ہوگی تو ۹۵ فیصد اکثریت رکھنے والے اہل سنت کی سواد اعظم کہ ان کے نزدیک تو صحابہ کرام اور خلافت راشدہ بھی کوئی بھی متنازعہ نہیں ہے۔ جبکہ دوسرا گروہ دین کے قطعی اور اجماعی امور عبادات کو بھی نزاعی سمجھ رہے ہیں۔

رہا خلافت راشدہ تو شیعہ زعماء واضح اعلان کر رہے ہیں کہ ہمیں نظام مصطفیٰ اور نظام شریعت کی وہ تعبیر منظور ہی نہیں جسے خلافت راشدہ کہا جا رہا ہے۔ (ملاحظہ ہوں ان کے اخبارات شیعہ وغیرہ)

ان خدشات کے پیش نظر کئی سنی تنظیموں نے اعیان حکومت سے وضاحت طلب کی، خود احقر ڈیرہ اسماعیل خان کی ایک جماعت "انجمن محبان صحابہ" کی خواہش پر اس کے وفد کے ساتھ وفاقی مشیر تعلیم خانزادہ محمد علی خان صاحب سے ملا، وہاں کی طویل بات چیت سے یہ خدشہ یقین میں بدل گیا کہ نئے نصاب دینیات میں عبادات کا حصہ نہیں ہوگا کہ اس میں کلمہ اور اذان بھی شیعوں کے ہاں نزاعی ہے اور نہ صدیق و فاروق، ذوالنورین اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی مثالی سیرت و کردار کا کوئی ذکر ہوگا، اگر ایسا ہے تو حکومت یکجہتی اور وحدت کے کتنے ہی مخلصانہ جذبہ سے ایسا اقدام کیوں نہ کرے سنی مسلمانوں کی عظیم اکثریت ہرگز ہرگز ایسے کسی فیصلہ سے مطمئن نہیں ہوگی، ایک طرف اسلامی انقلاب کے مژدے، خلافت راشدہ کے طور طریقوں کے احیاء کے چرچے، صبح و شام نظام خلافت راشدہ کا ورد اور دوسری طرف ایسی ناعاقبت اندیشانہ غیر معقول تجویز ——؟